حضرت عبدالمطلب کی شخصیت: ایک تحقیقی جائزہ

The Personality of Hazrat Abdul Muttalib: An Exploratory Review

Syeda Shumaila Rubab Rizvi
Visiting Lecturer Institute of Islamic studies
Shah Abdul Latif university Khairpur Mirs
Email: shumaila.rubab@salu.edu.pk

ABSTRACT
Hazrat Abdul Muttalib was the fourth chief of the Quraysh tribal confederation and the grandfather of the Islamic prophet Muhammad. He was a highly respected figure in his community, known for his generosity, wisdom, and courage. This paper explores the personality of Hazrat Abdul Muttalib, drawing on both historical and religious sources. Abdul Muttalib was a devout follower of the Abrahamic faith, and he is credited with restoring the Kaaba to its original state after it had been damaged by a flood. He was also a generous benefactor to the poor and needy, and he was known for his hospitality to strangers. This paper explores the personality of Hazrat Abdul Muttalib, drawing on both historical and religious sources. It has found that Abdul Muttalib was a complex and multifaceted individual who possessed a wide range of positive qualities. He was a strong and courageous leader, a wise and knowledgeable man, a devout follower of his faith, and a generous and compassionate person. Abdul Muttalib's personality traits make him an inspirational figure for Muslims around the world. This paper has provided an exploratory review of the personality of Hazrat Abdul Muttalib. Further research could be conducted to explore his personality in more depth, using a wider range of sources. More research could also be conducted on the impact of his personality on his leadership and legacy.
Keywords: Prophet Muhammad's grandfather, Abdul Muttalib, Leadership of Quryash, Nobility of Abdul Muttalib, Generosity of Abdul Muttalib

حضرت عبدالمطلب کا تعارف

عبدالمطلب کو "شیبۃ الحمد" بھی کہا جاتا ہے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ لوگ کثرت کے ساتھ ان کی حمد اور تعریف کرتے تھے، اس کی وجہ یہ تھی کہ وہ مصیبت کے وقت میں قریش کا سہارا تھے اور تمام کاموں میں قریش ان ہی کی طرف دیکھتے تھے۔ یہ قریش کے شرفاء میں شامل تھے اور اپنے نیک عمل و کمالات کے لحاظ سے قریش کے ایسے سردار تھے کہ جن کا کوئی مد مقابل اور حریف نہ تھا۔ کہا یہ بھی جاتا ہے کہ ان کو شیبۃ الحمد اس لیے کہتے ہیں کہ جب وہ پیدا ہوئے تو ان کے سر میں شیبہ یعنی سفیدی تھی۔ ایک روایت میں ہی جملے ملتے ہیں کہ ان کے سر کا درمیانی حصہ سفید تھا۔ یا پھر انہیں فال نیک کے طور پر شیبہ کہا گیا کہ ان کی عمر اتنی ہو گی کہ وہ سن مکیب یعنی بڑھاپے تک پہنچیں گے۔ یہ بات بھی ملتی ہے کہ ان کا اصل نام عامر تھا اور عمر ایک سو چالیس سال تھی۔[1]

آباء واجداد

جناب عبد المطلب کے آباء واجداد کے بارے میں مؤرخین کا بیان ہے کہ حضرت ابراہیمؑ تک اٹھائیس افراد، حضرت نوحؑ تک 38 اور حضرت آدمؑ ابو البشر تک اڑتالیس افراد کا سلسلہ پہنچتا ہے۔ "عدنان" سے اوپر کے افراد کے ناموں اور تعداد کے بارے میں بہت زیادہ اختلاف پایا جاتا ہے۔ جو محققین مزید تفصیلات جاننا چاہیں وہ تاریخ اور سلسلہ نسب سے متعلق لکھی گئی دوسری کتب کی طرف رجوع کر سکتے ہیں۔ ان کتب میں ان سب ناموں اور تعداد کے بارے میں پائے جانے والے اختلاف کو ملاحظہ کر سکتے ہیں۔

چند احادیث میں پیغمبر اکرمؐ سے نقل کیا گیا ہے کہ آپؐ نے ارشاد فرمایا: ''اِذَا بَلَغَ نَسَبِی اِلٰی عَدنَانَ فَامسِكُوا۔'' یعنی جب میرا سلسلہ نسب عدنان تک پہنچے تو سکوت اختیار کرو۔

''عدنان'' رسول اللہؐ کے اکیسویں اور حضرت عبد المطلب کے انیسویں جد امجد ہیں۔ تمام مؤرخین نے پیغمبر اکرم ﷺ کا سلسلہ نسب ان تک بغیر کسی اختلاف کے اس طرح بیان کیا ہے۔

''محمدؐ'' بن عبد اللہ بن عبد المطلب بن ہاشم بن عبد مناف بن قصی بن کلاب بن مرہ بن کعب بن لوی بن غالب بن فہر بن مالک بن نضر بن کنانہ بن خزیمہ بن مدرکہ بن الیاس بن مضر بن نزار بن معد بن عدنان۔۔۔۔۔

عبد المطلب بن ہاشم، جن کا نام عمرو تھا، ابن عبد مناف، جن کا نام مغیرہ تھا، ابن قصی، جن کا نام زید تھا، بن کلاب، بن مرہ، بن لعب، بن غالب، بن فہر، قرشیت فہر تک ہی پہنچتا ہے، جو فہر سے اوپر کا سلسلہ ہے انہیں قرشی یا قریشی نہیں کہا جاتا۔ انہیں کنانی کہتے ہیں۔ فہر کے والد مالک ابن نضر تھے، نضر کا نام قیس تھا، ابن کنانہ، ابن خزیمہ، بن مدرکہ، جن کا نام عمرو تھا، ابن الیاس، بن مضر، ابن نزار، ابن معد، ابن عدنان۔

جیسا کہ سطور بالا میں بیان کیا گیا ہے، عدنان سے اوپر حضرت آدمؑ ابو البشر تک کے سلسلہ نسب کے حوالے سے تاریخ اور روایات میں رسول اللہؐ اور جناب عبد المطلب کے آباء واجداد کے اسماء وتعداد کے بارے میں شدید اختلاف پایا جاتا ہے اس لیے شاید پیغمبر کرمؐ نے سلسلہ نسب کو عدنان سے آگے بیان کرنے سے منع فرمایا ہو۔ ایک حدیث میں جناب ابن عباس سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب نسب کا تذکرہ فرماتے تو اپنے سلسلہ نسب کو معد بن عدنان، بن ادد سے آگے نہ بڑھاتے بلکہ یہاں پہنچ کر رک جاتے اور ارشاد فرماتے: ''كَذَبَ النَّسَّابُونَ'' یعنی سلسلہ نسب ملانے والے جھوٹے ہیں، اللہ تعالیٰ تو فرماتا ہے: ''وَ قُرُوناً بَینَ ذَالِكَ كَثِیراً۔'' (اس بیچ میں بہت سی نسلیں گزری ہیں)۔ [2]

حضرت عبد المطلب کی شخصیت

جناب عبد المطلب، پر ہیبت اور باوقار شخصیت کے مالک تھے۔ جناب عبد المطلب کے لیے کعبۃ اللہ کے زیر سایہ فرش

بچھایا جاتا تھا۔ اور ان کے لڑکے ان کے اس فرش کے اطراف بیٹھے رہتے یہاں تک کہ وہ خود اس کی طرف آتے ان کے بیٹوں میں سے کوئی بھی ان کی عظمت کے خیال سے اس پر نہ بیٹھتا تھا۔ بہت سے علماء تشیع واہل تسنن، مکہ معظمہ میں حضرت عبد المطلب کے توحید اور اللہ تعالیٰ کی یکتا پرستی کی طرف دعوت دینے والے اور ہر قسم کے شرک وبت پرستی کے مخالف ہونے کا عقیدہ رکھتے ہیں۔ اگرچہ کچھ دانشمند حضرات اس خیال کے ہیں کہ وہ اپنے اس عقیدہ توحید کے اظہار میں تقیہ سے کام لیتے تھے اور بعض مصلحتوں کی بنا پر شرک اور بت پرستی کے اجتماعات ورسومات میں شریک بھی ہوتے تھے۔ لہذا قدیم اور بزرگ شیعہ عالم دین شیخ صدوق کہتے ہیں: "کان عبد المطلب و ابو طالب من اعرف العلماء و اعلمهم بشان النبی صلی اللہ علیه وآله ۔و کانا یکتمان ذالک عن الجهال و اهل الکفر و الضلال"[3] عبد المطلب و ابو طالب دونوں ایسے دانشمند تھے کہ جو نبی پاک ﷺ کے بارے میں دوسروں سے سب سے زیادہ معرفت رکھتے تھے۔ البتہ وہ اپنا یہ عقیدہ نادانوں، کافروں اور گمراہ لوگوں سے چھپاتے تھے"۔

اصبغ ابن نباتہ سے روایت بیان کی گئی ہے کہ: میں نے امیر المؤمنین حضرت علی سے سنا، آپ فرما رہے تھے: اللہ کی قسم نہ میرے والد، نہ دادا، نہ ہاشم اور نہ عبد مناف۔ ان میں سے کسی نے کبھی بھی بتوں کی پوجا نہیں کی۔ ان سے پوچھا گیا کہ پھر کس کی بندگی کرتے تھے؟ تو آپ نے کہا: "کانوا یصلون علی البیت علیٰ دین ابراهیم علیه السلام متمسکین به۔"[4] "وہ سب حضرت ابراہیم کے دین کے مطابق خانہ کعبہ کی طرف رخ کر کے نماز پڑھتے تھے اور اس دین کے ساتھ متمسک تھے۔"

یعقوبی اپنی تاریخ میں عبد المطلب کے بارے میں لکھتا ہے: "و رفض عبادة الاصنام ،و وحد اللہ عز و جل و فی بالنذر ،و سن سننا نزل القرآن باکثرها۔۔۔۔"

"انہوں نے بت پرستی کو ترک کر دیا تھا اور اللہ تعالیٰ عز وجل کی وحدانیت کی معرفت حاصل کی، نذر کو پورا کیا اور کئی ایسی سنتیں قائم کیں کہ ان میں سے اکثر قرآن میں نازل ہوئیں۔۔۔" اس کے بعد ان کی سنتوں کا ذکر کرنے کے بعد کہتا ہے "کانت قریش تقول عبد المطلب ابراهیم الثانی۔"

" قریش عبد المطلب کو ابراہیم ثانی کہتے تھے۔"

آخر میں مکہ معظمہ کی خشک سالی اور قریش پر قحط کے زمانے میں، عبد المطلب کی دعا اور اس کے نتیجے میں بارش برسنے کے واقعات کو تفصیل کے ساتھ ذکر کرتے ہوئے اس سلسلے میں قریش کی طرف سے بیان شدہ کچھ اشعار بھی اس نے نقل کیے ہیں۔

بشیبة الحمد اسقی اللہ بلدتنا   و قد فقدنا الکری و اجدوز المطر

شیبۃ الحمد کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے ہمارے شہر کو سیر اب کیا ہے، اور ہماری نیند جاتی رہی تھی، اور بارش، بارش کے زمانے کے ختم ہونے کے بعد بھی برستی رہی

منا من الله بالميمون طائرة   و خير من بشرت يومابه مضر

اس مبارک چہرے کی وجہ سے اللہ کا احسان ہم پر ہوا ہے، اور وہ مضر کا بہترین آدمی ہے۔

مبارك الامر يستسقى الغمام به   ما فى الانام له عدل ولا خطر

وہ مبارک ہے، بادل اس سے سیر اب ہوتے ہیں، مخلوق میں اس کی نظیر اور ہم پلّہ کوئی نہیں ہے۔[5]

ثقۃ الاسلام کلینی نے، کافی میں اپنی سند کے ساتھ زرارہ سے اور انہوں نے امام صادق علیہ السلام سے ایک روایت نقل کی ہے،۔ آپؑ فرماتے ہیں "یحشر عبد المطلب یوم القیامۃ امۃ واحدۃ علیہ سیماء الانبیاء وھیبت الملوک۔"[6]

"عبد المطلب قیامت کے دن ایک پوری امت طرح محشور ہوں گے۔ وہ انبیا کی صورت اور بادشاہوں کا رعب رکھتے ہوں گے۔"

عبد المطلب کا ایمان و عقیدہ

جناب عبد المطلب کے ایمان کے سلسلے میں گفتگو سے قبل ہم بطور مقدمہ پیغمبرؐ کے آباء و اجداد کے ایمان و عقیدے کے بارے میں گفتگو کریں گے۔ ان کے موحد اور توحید پرست ہونے کے حوالے سے ہم بطور اجمال مسلمانوں کے درمیان پائے جانے والے موضوع زیر بحث پر علامہ جلال الدین سیوطی کے رسالہ "الدرج المنیفہ فی الآباء الشریفہ" سے ایک عبارت نقل کرتے ہیں۔ "امام فخر الدین رازی کہتے ہیں یہ تحقیق نبی اکرمؐ کے آباء و اجداد حضرت آدمؑ تک سب کے سب مسلک توحید پر گامزن رہے، ان میں سے کوئی بھی مشرک نہیں ہوا اس حقیقت پر کہ حضرت محمدؐ کے آباء مشرک نہیں تھا، حضور اکرمؐ کا یہ قول دلالت کرتا ہے۔ میں ہمیشہ پاک و پاکیزہ مردوں کے صلبوں سے طیب و طاہر عورتوں کے رحموں میں منتقل ہوتا رہا۔ پھر اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے مشرک نجس ہوتے ہیں۔ ان دونوں کو ملا کر پڑھنے سے یہ لازم آتا ہے کہ آنحضرتؐ کے اجداد میں سے کوئی بھی مشرک نہیں تھا۔

امام ماوردی جو کہ شافعیوں کے امام ہیں، اپنی کتاب "الحادی الکبیر" میں آیت کریمہ "وَ تَقَلُّبَکَ فِی السَّاجِدِینَ" سے امام رازی کے مذکورہ صدر نظریہ کی تائید میں دلائل پیش کیے ہیں۔ ہم اس حوالے سے مجمل و مفصل دلائل پیش کرتے ہیں۔ اس سے قبل یہ دو مقدمے حاضر خدمت ہیں۔

(۱) مقدمہ اول یہ ہے کہ احادیث صحیحہ اس چیز پر دلالت کرتی ہیں کہ حضرت آدمؑ سے لے کر جناب عبد اللہ تک پیغمبر علیہ الصلوۃ والسلام کے سلسلہ نسب کی ہر شاخ اپنے اپنے زمانے کی بہترین شاخ تھی۔

(۲) مقدمہ دوئم یہ ہے کہ احادیث و آثار صحیحہ سے اس حقیقت پر روشنی پڑتی ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام کے زمانے سے نبی اکرم ﷺ کی بعثت کے وقت تک روئے زمین ایسے لوگوں سے خالی نہیں رہی جو دین فطرت پر قائم رہے اور اللہ کی عبادت کرتے تھے۔ اس کی توحید کے قائل تھے اور اس کی نماز ادا کرتے تھے۔ ان ہی کی بدولت زمین محفوظ رہی اور اگر اور اگر وہ نہ ہوتے تو زمین اور اس کے رہنے والے سب کے سب ہلاک ہو جاتے۔

مقدمہ اول کے اثبات میں چند دلائل

(۱) حدیث بخاری: رسول اللہؐ نے فرمایا: میں ہر عہد میں اولاد آدم کی بہترین نسل سے اٹھایا جاتا رہا یہاں تک کہ اس عہد میں جس میں موجود ہوں، میں بہترین خاندان سے اٹھایا گیا ہوں۔

(۲) حدیث بیہقی: حضور ﷺ نے فرمایا: جب بھی لوگ دو گروہوں میں تقسیم ہوئے تو اللہ نے مجھے ان میں سے بہتر گروہ میں رکھا۔ میں اپنے باعفت ماں باپ سے پیدا ہوا اور زمانہ جاہلیت کی نسبی خرابیوں میں سے کوئی عیب میرے حصہ میں نہیں آیا۔ میرا نور حضرت آدمؑ کے زمانے سے اب تک با قاعدہ نکاح کے ذریعے منتقل ہوا۔

(۳) حدیث ابو نعیم: پیغمبر اسلامؐ نے فرمایا: خدا مجھے پاک و پاکیزہ صلبوں سے صاف و ستھرے اور باعفت رحموں کی طرف منتقل کرتا رہا۔ اس طرح کہ میں ہمیشہ ہر عیب سے محفوظ اور ہر خوبی سے آراستہ رہا۔ میرے بزرگوں میں سے جن کی اولاد دو شاخوں میں منقسم ہوتی، ان میں سے جو بہتر ہوتی اس میں خدا مجھے رکھتا۔ اسی قسم کی اور بھی بہت سی حدیثیں ہیں۔

مقدمہ دوئم کی چند دلیلیں یہ ہیں:

(۱) عبد الرزاق نے کتاب مصنف، میں اور ابن المنذر نے اپنی تفسیر میں ایسی سند کے ساتھ جو امام بخاری اور امام مسلم کی شرائط کے مطابق صحیح قرار پائی ہے، حضرت علی ابن ابی طالب سے یہ روایت کی ہے کہ انہوں نے فرمایا: روئے زمین پر ہمیشہ ایسے لوگ بھی موجود رہے ہیں جو اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے تھے۔

(۲) امام احمد بن حنبل نے کتاب "الزھد" اور ظلال نے کتاب "کرامات الاولیاء" میں ایسی سند کے ساتھ جو امام بخاری اور امام مسلم کی شرائط کے مطابق صحیح قرار پاتی ہے۔ حضرت عبد اللہ بن عباس رضہ سے روایت کی ہے کہ انہوں نے فرمایا۔ حضرت نوحؑ کے بعد سے زمین کسی وقت بھی ایسے سات افراد سے خالی نہیں رہی جن کی وجہ سے اللہ تعالیٰ اہل زمین سے عذاب ٹالتا رہا۔ اس قسم کی اور بھی بہت سی روایات ہیں۔

جب ہم ان دونوں مقدموں کو ملا کر دیکھتے ہیں تو قطعی طور پر اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ کے آباء میں سے کوئی بھی مشرک نہیں تھا۔ اور وہ اس طرح کہ ان کے بارے میں یہ ثابت ہو چکا ہے کہ ان میں سے ہر ایک اپنے اپنے زمانے کی

بہترین شخصیت تھی۔ پس اگر وہ لوگ جو (حضرت علی اور ابن عباس کے اقوال کے مطابق) دین فطرت پر رہے، آنحضرت ﷺ کے آباء واجداد تھے تو ہمارا بھی مدعا یہ ہے اور اگر یہ بہترین لوگ ان آباءِ نبی ﷺ کے علاوہ تھے اور شرک پر بھی قائم رہے تو اس سے دو باتوں میں سے ایک بات لازم آتی ہے۔ یا تو یہ کہ مشرک، مسلم سے بہتر ہو اور یہ ہو نہیں سکتا کیونکہ یہ نص قرآن اور اجماع دونوں سے باطل ہے یا پھر یہ کہ آباءِ کرام رسول خیر الانام سے اور لوگ بہتر ہوں اور یہ صورت احادیث صحیحہ کے خلاف ہونے کی وجہ سے باطل قرار پاتی ہے۔ پس قطعی طور پر یہ لازم آتا ہے کہ آنحضرت ﷺ کے آباء میں سے کوئی شخص بھی مشرک نہ ہو، تاکہ وہ روئے زمین پر اپنے اپنے عہد کی بہترین ہستیاں قرار پائیں۔[7]

اب ہم اپنے اصل موضوع کی جانب آتے ہیں۔ جناب عبد المطلب کے ایمان و اسلام کے سلسلے میں تاریخ کی کتابوں میں بہت سی باتیں بیان کی گئی ہیں۔ ان کے بارے میں تین قول ہیں۔

1۔ پہلا قول یہ ہے کہ ان تک اسلام کا پیغام نہیں پہنچا۔ جیسا کہ بخاری وغیرہ میں روایت آئی ہے۔

2۔ دوسری بات کہ آپ توحید پر تھے اور ملت ابراہیم علیہ السلام پر تھے، امام فخر الدین رازی کے کلام سے ظاہر ہے۔

3۔ تیسرا قول یہ ہے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے انہیں حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت مبارکہ کے بعد زندہ فرمایا، حتی کہ وہ آپ پر ایمان لاکر مسلمان ہوئے اور پھر اس کے بعد ان کا انتقال ہوا۔

زیادہ تر مؤرخین کا خیال ہے کہ وہ توحید خداوندی پر کامل ایمان رکھتے تھے۔ رسالت، آخرت پر ایمان، سزا و جزا اور مبدء و معاد پر راسخ عقیدہ رکھتے تھے۔ جب کہ کچھ مؤرخین اس کے برعکس ان کے عدم ایمان اور بت پرستی کے قائل ہیں۔ آیئے ہم اس کا ذرا تفصیل کے ساتھ جائزہ لینے کی کوشش کرتے ہیں۔

پیغمبر اسلام ﷺ کے آباء واجداد میں قریب ترین افراد آپؐ کے والدین اور جد امجد جناب عبد المطلب بن ہاشم ہیں۔ ان کے شرک و کفر اور جہنمی ہونے کے بارے میں علمائے متقدمین نے اپنی کتابوں میں کافی تفصیلات درج کی ہیں۔ کچھ حضرات نے عدالت کا دامن چھوڑ کر تسلی نفس کی کوشش کی ہے۔ یہاں تک کہ اگر کسی شخص نے کسی صحابی کا کوئی قول ان کے جنتی ہونے کے حوالے سے بیان کیا تو اس کو جاہل قرار دیا گیا۔ چنانچہ علامہ ذہبی المتوفی 748 ہجری، یحییٰ بن الحسین علوی کے ترجمے میں لکھتے ہیں۔

اتی بخبر کذب متنه ان ابوی صلی الله علیه وسلم و جده فی الجنة انهم بوضعه هذا الجاهل۔[8]

یعنی اس نے ایک جھوٹی خبر بیان کی ہے، جس کا متن یہ ہے کہ بتحقیق نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے والدین اور ان کے جد جنت میں ہیں۔ یہ جاہل اس قول کے وضع کرنے کا متہم قرار دیا گیا ہے۔ دوسری طرف کچھ ایسے علماء بھی موجود رہے ہیں جو مذکورہ نظریہ کو تسلیم نہیں کرتے۔

ذیل کی سطور میں ہم اس حوالے سے کچھ شواہد تاریخ کی مستند کتابوں اور روایات سے پیش کرنے کی کوشش کریں گے۔ ان میں قاضی ابو بکر بن العربی التوفی 543 ہجری بھی ہیں جن سے ایک ایسے شخص کے بارے میں سوال کیا گیا جو یہ کہتا تھا کہ آنحضرت کے والد کا ٹھکانہ جنہم ہے تو قاضی صاحب نے جواب دیتے ہوئے کہا کہ وہ ملعون ہے۔ کیونکہ قرآن مجید میں آیت کریمہ ہے کہ: بتحقیق جو لوگ اللہ اور اس کے رسول کو ایذا دیتے ہیں، اللہ ان پر دنیا اور آخرت میں لعنت کرتا ہے۔ (احزاب، آیہ 57) اور رسول اللہ کو اس سے زیادہ ایذا دینے والی چیز اور ہو نہیں سکتی کہ ان کے والد ماجد کے لیے یہ کہا جائے کہ وہ دوزخ میں ہیں۔ (رسالہ السبل الجلیلہ للسیوطی، ص 18-19)۔ لیکن اس نظریے کے باطل ہونے پر کوئی مستقل کتاب نہیں لکھی گئی۔ سب سے پہلے علامہ جلال الدین عبد الرحمٰن بن ابی بکر السیوطی التوفی 911 ہجری نے آنحضرت ﷺ کے والدین اور آپؐ کے تمام آباء و اجداد کے موحد اور مسلم ہونے پر متعدد رسالے لکھے اور اس نظریے کے مخالفین کے اعتراضات کے جوابات دیے۔ یہ تمام رسالے "الرسائل التسع" کے نام سے مطبعہ دائرۃ المعارف عثمانیہ حیدر آباد دکن سے شایع ہو چکے ہیں۔

جناب عبد المطلب کے موحد ہونے پر تاریخی شواہد

اگر روایت پرستی کو چھوڑ کر اور ان سے دور رہتے ہوئے جناب عبد المطلب کے متعلق تاریخی واقعات کو ناقدانہ انداز میں دیکھا جائے تو ان کی شخصیت میں توحید کی ضیابار شعائیں ہمیں نظر آتی ہیں۔ کتب سیر و تواریخ میں جناب عبد المطلب کے موحد ہونے پر اس قدر کثرت سے واقعاتی شہادتیں ملتی ہیں کہ مؤرخین اور سیرت نگاروں نے یہ بات اپنی کتابوں میں درج کی ہے کہ وہ آخر عمر میں توحید پرست ہو گئے تھے۔ چنانچہ علامہ حلبی نے مخالف روایات نقل کرنے کے بعد ان کے متعلق لکھا ہے "ورفض فی آخر عمرہ عبادۃ الاصنام و وحد اللہ سبحانہ و تعالیٰ" یعنی انہوں نے اپنی عمر کے آخری حصے میں بتوں کی پرستش چھوڑ دی تھی اور حق وسبحانہ کی توحید کے قائل ہو گئے تھے۔ (سیرۃ حلبیہ، ج 1، ص 4) علامہ حلبی کے اس قول کہ حضرت عبد المطلب نے آخر عمر میں بت پرستی ترک کر دی تھی، اس کا جائزہ بعد میں لینے کی کوشش کریں گے۔ سر دست ہم ان چند واقعات کو پیش کرتے ہیں، جن سے ان کے ایمان اور توحید کی کیفیت معلوم ہوتی ہے۔

(ا) جناب عبد المطلب کی عمر کے متعلق مشہور ترین قول یہ ہے کہ "عاش مائۃ واربعین سنۃ" یعنی وہ ایک سو چالیس سال زندہ رہے۔ (سیرہ حلبیہ، ج 1، ص 4) ان کے کل سولہ اولاد ہوئیں۔ دس لڑکے اور چھ لڑکیاں۔ ابھی آپ کے صرف ایک لڑکا حارث تھا کہ جس کی وجہ سے آپ کی کنیت ابو الحارث مشہور ہے کہ آپ کو خواب میں چاہ زمزم کھودنے کی بشارت دی گئی جو اس وقت تک نامعلوم حات میں پٹا پڑا تھا۔ یہ کنواں اساف اور نائلہ دو بتوں کے درمیان واقع تھا، جہاں

قریش چڑھاوے کے جانور قربان کیا کرتے تھے۔ جب جناب عبد المطلب اور ان کے فرزند حارث زمزم کھودنے میں مصروف ہوئے تو قریش نے مخالفت کی اور کہا کہ ہم کنواں کھودنے کی اجازت نہیں دیں گے۔ جناب عبد المطلب اور حارث نے مقابلہ کیا اور بمشکل قریش پر غلبہ پایا اور چاہ زمزم کھودا، اس مخالفت کے موقع پر آپ نے نذر کی کہ "لان اتانی اللہ عشرۃ من اولاد الذکور لانحرن احدھم عند الکعبۃ" اگر اللہ تعالیٰ نے مجھے دس بیٹے عطا کیے تو میں ان میں سے ایک ضرور خانہ کعبہ کے پاس قربان کروں گا۔[9] یہ آپ کے جوانی کا زمانہ تھا۔ اگر اس عالم بت پرستی کر رہے ہوتے تو کسی بت کی نذر مانتے۔ لیکن چونکہ وہ موحد تھے اس لیے اللہ کی نذر مانی اور کسی دوسرے بت کی طرف توجہ نہیں کی۔

(۲) جس سال جناب عبد اللہ اور آمنہ کی شادی ہوئی، اسی سال ابرہہ نے جو نجاشی بادشاہ حبشہ کی طرف سے حاکا یمن تھا، خانہ کعبہ کے منہدم کرنے کے ارادے سے ہاتھیوں کی فوج لے کر مکہ معظمہ پر حملہ کیا۔ سرزمین مکہ پر ابرہہ کے قیام کے زمانے میں اس کے فوجی جناب عبد المطلب کے دوسو اونٹ پکڑ کر لے گئے۔ اس پر انہوں نے ابرہہ سے ملاقات کی درخواست کی۔ ابرہہ نے یہ معلوم کر کے کہ عبد المطلب خانہ کعبہ کے متولی اور قریش کے سردار ہیں، انہیں ملاقات کا موقع دیا۔ اس کا خیال تھا کہ وہ اس سے خانہ کعبہ کے منہدم کرنے سے باز رہنے کی درخواست کریں گے۔ لیکن اس کے حیرت کی کوئی حد وانتہا نہ رہی جب اس نے دیکھا کہ عبد المطلب اپنے پکڑے گئے اونٹوں کی واپسی کی درخواست کر رہے ہیں۔ ابرہہ نے اونٹوں کی واپسی کا حکم تو دے دیا لیکن اس کے ساتھ ہی یہ بھی کہا کہ میرے دل میں آپ کی بڑی عزت تھی لیکن جب مجھے یہ معلوم ہوا کہ آپ کو اپنی عبادت گاہ کے مقابلہ میں اپنی ذاتی چیز کا زیادہ خیال ہے تو میرے دل سے آپ کی عظمت جاتی رہی۔ جناب عبد المطلب یہ کہتے ہوئے کہ "میں اونٹوں کا مالک ہوں، اس لیے مجھے ان کی فکر ہے اور اس بیت (خانہ کعبہ) کا بھی ایک مالک موجود ہے جو خود اس کی حفاظت کرے گا"۔ ابرہہ سے رخصت ہوئے، پھر خانہ کعبہ کے دروازے کی زنجیر تھام کر اس طرح خدا سے دعا کی

یا ربِّ !لا أرجو لهم سواكا ** إنّ عدوّ البيتَ مَن عاداكا

یا ربّ !فامنَع منهمُ حِماكا ** امنعهمُ أن يُخربوا افناكا

اے پالنے والے! میں ان کے بارے میں تیرے سوا کسی اور سے کوئی امید نہیں رکھتا۔ اے پروردگار! ان سے تو ہی اپنے گھر کی حفاظت فرما۔

بلاشبہ تیرے گھر کا دشمن وہی ہو سکتا ہے جو تیرا دشمن ہے۔ تو ان کی دست برد سے اپنے گھر کی حفاظت فرما۔[10] یہ رجوع الی اللہ اسی شخص کا کام ہو سکتا ہے جو توحید کا قائل ہو۔ اگر جناب عبد المطلب کا ذہن مائل بکفر ہوتا تو وہ بھی اس مشکل اور پریشانی کے وقت وہی "اعد ھبل" کا نعرہ لگاتے جو جنگ احد کے موقع پر ابو سفیان لگا رہا تھا۔

(۳) ایام جاہلیت میں کفار قریش کا یہ دستور تھا کہ جب کوئی بچہ پیدا ہوتا تو اس کو ہبل نامی بت کے پیروں میں ڈال دیتے تھے اور اس کے پیروں کے قریب کی خاک بطور سرمہ بچہ کی آنکھوں ڈالتے تھے۔ اور اس کے آگے بچے کی طول عمر کے لیے دعا کیا کرتے تھے۔ لیکن تاریخ بتاتی ہے کہ جب آنحضرت کی ولادت ہوئی اور جناب آمنہ نے اس کی خبر حضرت عبد المطلب کے پاس بھیجی تو انہوں نے آکر حضور ﷺ کو گود میں لیا اور ہبل بت کے پاس لے جانے کی بجائے ان کو سیدھا خانہ کعبہ میں لے گئے اور وہاں پہنچ کر بقول صاحب سیرۃ الحلبیہ " قام یدعو اللہ یشکر لہ ما اعطاہ " یعنی بچہ کے لیے اللہ سے دعا کرنے لگے اور اس کی بخشش و نعمت پر اس کا شکر ادا کرنے لگے۔ (سیرۃ الحلبیہ، ج 1، ص 72)۔ بعض تاریخوں میں مذکور ہے کہ اس موقع پر آپ نے چند رجزیہ اشعار بھی کہے جن سے بھی آپ کی توحید پرستی پر روشنی پڑتی ہے۔ وہ اشعار یہ ہیں۔

الحمد للہ الذی اعطانی　　هٰذا الغلام الطبیب الازمان

قد سادنی لمہد علی الغلمان　　اعیذہ بالبیت ذی الارکان

من حاسد مضطرب العنان

ترجمہ: سب تعریفیں اللہ کے لیے ہیں جس نے مجھ کو یہ پاک و پاکیزہ اور خوبصورت بچہ عطا کیا۔ مہد میں ہی اسے اور بچوں پر شرف حاصل ہے۔ میں اسے اللہ کے گھر کی پناہ میں دیتا ہوں تا اینکہ میں اس کو بالغ دیکھ لوں۔ میں اس کے لیے ہر بغض رکھنے والے اور حسد رکھنے والے شخص کے شر سے خدا کی پناہ میں رہنے کی دعا کرتا ہوں۔ (روضۃ الاحباب، ج 1، ص 55، مطبع انوار محمدی لکھنؤ)

(۴) منقول ہے کہ پیغمبر اسلام کی عمر مبارک پانچ یا چھ سال کی تھی کہ قریش کو کئی سال تک قحط اور خشک سالی کا سامنا ہوا۔ لوگ جناب عبد المطلب کے پاس آئے اور ان سے اپنی مصیبت بیان کی۔ آپ نے کہا کہ کل ہر خاندان سے ایک ایک منتخب شدہ آدمی میرے پاس آجائے، تعمیل حکم ہوئی۔ جناب عبد المطلب ان لوگوں کو، اپنی اولاد کو اور آنحضرت کو کوہ ابو قبیس پر لے گئے۔ پھر آپ دعا کرنے کھڑے ہوئے اور بمنت وزاری بارگاہ احدیت میں عرض کرنے لگے۔

"لاھم هٰؤلآءِ عبیدک و بنوا عبیدک واماؤک وبنوا امائک ، و قد نزل بنا ما تریٰ ، وتتابعت علینا هٰذا السنون ، فذھبت بالطلف والخلف والحافر، و اشفت علی الانفس ، فاذھب عنا الجدب و أتنا بالحیاء والخصب"

ترجمہ: اے اللہ! یہ تیرے غلام اور تیری کنیزیں تیرے سامنے حاضر ہیں تو دیکھ رہا ہے جو مصیبت ہم پر پڑی ہوئی ہے۔ ہمیں سالہا سال سے قحط کا سامنا ہے جس نے اونٹوں، گائے بیلوں، گھوڑوں اور خچروں کا صفایا کر دیا ہے۔ جان کے لالے پڑے ہوئے ہیں۔ پس تو ہم سے اس خشک سالی کو دور کر دے اور بارش اور سرسبزی و شادابی سے ہمیں سرفراز فرما۔

مؤرخین کا کہنا ہے کہ "فما برحوا حتی سالت الاودية "۔یعنی ابھی یہ لوگ کوہ ابو قبیس پر مصروف دعا ہی تھے کہ اتنی سخت بارش ہوئی کہ وادیاں بہہ نکلیں۔[11]

کہتے ہیں کہ یہ بارش قبیلہ قیس اور قبیلہ مضر کے شہروں میں نہیں ہوئی۔جب انہیں معلوم ہوا کہ جناب عبد المطلب کی دعا کی برکت سے دیگر قبائل قریش کے شہر اور دیہات سیر اب ہو گئے تو وہ بھی ایک وفد کی شکل میں ان کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ان سے دعا کے لیے استدعا کی۔

(۵)جناب عبد المطلب نے قبیلہ قیس اور مضر کی عرضداشت کو قبول کیا اور ان سے دوسرے روز عرفات میں حاضر ہونے کو کہا۔ چنانچہ دوسرے دن قبیلہ مضر اور قیس کے وفد کے ارکان وعدہ گاہ پر جمع ہوئے اور ادھر جناب عبد المطلب اپنی اولاد اور جناب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو لے کر عرفات پر پہنچے۔ پھر آپ نے دعا کے لیے کھڑے ہو کر ہاتھ اٹھائے اور نہایت عجز وانکساری کے ساتھ اس طرح بارگاہ احدیت میں دعا کرنے لگے۔

" اللهم رب البرق الخاطف ،والرعد القاصف ، رب الارباب ، وملن العصاب، هٰذه قيس و مضر من خير البشر، قد شعثت رودمها و حدبت ظهورها ۔تشكو اليک شدة الهذال، و ذهاب النفوس و الاموال، اللهم فاتح لهم سحاباً خوارةً و سماءً خرارة لنصحک ارضهم و يزول فرهم۔"[12]

اے اللہ! چمکتی ہوئی بجلی اور گرجتے ہوئے بادل کے مالک! اے سرداروں کے سردار! اے مشکلوں کے آسان کرنے والے! یہ قبیلہ قیس اور مضر کے بہترین لوگ ہیں۔ اور ان کے سر خاک آلود ہو گئے ہیں، اور ان کی پشتیں جھک گئی ہیں۔ یہ لاغری اور جان ومال کے نقصان کی تجھ سے شکایت کرتے ہیں۔ اے اللہ! ان پر موسلا دھار بارش برسا تاکہ ان کی زمینیں اور ان کی کھیتیاں لہلہا اٹھیں اور ان کی ساری کوفت اور ساری تکلیف دور ہو جائے۔

ایام جاہلیت میں دعائے استسقاء کے یہ دونوں واقعات جناب عبد المطلب کی توحید پرستی پر کافی روشنی ڈالتے ہیں۔اگر وہ بت پرست ہوتے یا بت پرستی کی جانب ان کا رجحان ہوتا تو طلب بارش کی درخواست کے موقع پر وہ بتوں کی طرف متوجہ ہوتے اور ان کے سامنے دعا کرتے۔ جیسے کہ عمرو بن لحی، جس زمانے میں مکے کا رئیس اور متولی تھا اور جس نے عربوں میں سب سے پہلے بت پرستی کو رواج دیا تھا، جب وہ کسی کام سے شام گیا اور اس کی ملاقات قوم عمالقہ کے سرداروں سے ہوئی۔ اس نے وہاں قوم عمالقہ کو بت پرستی کرتے دیکھا تو حیران ہو کر ان سے پوچھا کہ تم یہ کیا کر رہے ہو؟ اس قوم اور سرداروں نے جواباً کہا کہ "ھٰذا اصنام نعبدھا، فنستمطرھا فتمطرنا ونستنصرھا فتنصرنا۔" یعنی یہ بت ہیں جن کی ہم پرستش کرتے ہیں۔ جب ہم ان سے بارش طلب کرتے ہیں تو یہ ہمیں بارش سے مستفیض کرتے ہیں اور جب ہم ان سے مدد مانگتے ہیں تو یہ ہماری امداد کرتے ہیں۔(سیرۃ الحلبیہ، ج1، ص 81)۔ لیکن جناب عبد

المطلب نے اس موقع پر نہ قولاً اور نہ ہی عملاً اس عقیدے کا اظہار کیا بلکہ انہوں نے براہ راست اللہ تبارک و تعالیٰ سے بارش کی طلب کی، جو ان کی توحید پرستی کی بین دلیل ہے۔ اس سے صاحب سیرۃ حلبیہ کے اس قول کی بھی مکمل تردید ہو جاتی ہے کہ انہوں نے آخر عمر میں بت پرستی کو ترک کر کے توحید پرستی اختیار کر لی تھی۔[13]

جناب عبد المطلب دین ابراہیمؑ کے پیرو تھے

یہ ایک تسلیم شدہ حقیقت ہے کہ عرب کی سرزمین پر جناب اسماعیلؑ کے بعد سے رسول اکرم ﷺ تک کوئی نبی یا رسول نہیں آیا۔ حضرت اسماعیلؑ نے عرب میں دین ابراہیمی کی تبلیغ و ترویج کی۔ چونکہ حضرت اسماعیل کے عہد اور جناب رسالت مآب کا درمیانی عرصہ کافی طویل تھا اس لیے دین ابراہیمی کے بہت سے اصول اس عرصے میں تغیرات کا شکار ہو گئے۔ دوسری طرف بہت سی چیزیں اور رسمیں جو دین ابراہیمی کا حصہ نہیں تھی ان کو شامل کیا جا چکا تھا۔ حال آنکہ ان کا دین ابراہیمی سے دور کا بھی کوئی واسطہ نہیں تھا۔ جناب عبد المطلب نے نہایت ہمت اور پامردی سے ان تمام بدعات سے دین ابراہیمی کی تطہیر کا بیڑہ اٹھایا اور بڑی حد تک اس جدوجہد میں کامیابی حاصل کی۔ جناب عبد المطلب کی یہ اصلاحات تاریخ میں ضوابط مطلبی کے نام سے مشہور ہیں۔ ہم ان اصلاحات کا آنے والے صفحات میں تفصیل کے ساتھ جائزہ لیں گے اور پھر ان کا تجزیہ و تحلیل کریں گے۔ سر دست ہم جناب عبد المطلب کے دین ابراہیمی پر قائم ہونے کو بیان کر رہے ہیں۔

علامہ جلال الدین سیوطی، حضرت عبد المطلب کے ملت ابراہیمی کے پیرو ہونے کا اعتراف کرتے ہیں۔ اس سلسلے میں وہ ابرہہ کے حملے کے موقع پر ان کی دعائیہ شعر کو بطور دلیل پیش کرنے کے بعد کہتے ہیں: "ھٰذا یدل علی انہ کان علی الحنفیۃ حیث تبراء من الصلیب وعابدیہ" یعنی یہ شعر اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ عبد المطلب دین حنفیہ کے پیرو تھے۔ کیونکہ انہوں نے صاف طور سے صلیب اور اس کے پرستاروں سے بے تعلقی کا اظہار کیا ہے۔ (الرسائل التسع، للسیوطی، رسالہ التعظیم والمنہ، ص ۵۲) پس یہ واضح طور پر ثابت ہو گیا کہ جناب عبد المطلب دین ابراہیم کے پیروکار تھے۔[14]

جناب عبد المطلب قیامت کے دن اور جزا و سزا کے قائل تھے

جناب عبد المطلب کے معاد اور جزا و سزائے آخرت کے قائل ہونے پر تاریخ میں متعدد شہادتیں ملتی ہیں۔ ہم طوالت سے بچنے کے لیے صرف دو شہادتیں بیان کریں گے۔

(۱) علامہ شہرستانی اپنی کتاب ملل و نحل میں لکھتے ہیں کہ جب حضرت عبد اللہ اور اونٹوں پر قرعہ اندازی کی جا رہی تھی اس وقت عبد المطلب خدا سے رجوع کیے ہوئے یہ شعر پڑھ رہے تھے۔

یا رب انت الملیک المحمود و انت ربی المبدی و المعید

من عندک الطارف والتلید

اے پروردگار! تو ہی صاحب قدرت واقتدار ہے اور تو ہی قابل حمد وستائش ہے۔ تو ہی میرا پالنے والا ہے۔ تو ہی ابتداعالم وجود میں لانے والا ہے اور تو ہی مرنے کے بعد پھر حیات نو عطا کرنے والا ہے۔ نئی اور پرانی سب چیزوں کا وجود تیرا ہی مرہون منت ہے[15]۔ شہرستانی لکھتے ہیں کہ یہ اشعار آپ کے مبداء و معاد کے قائل ہونے کے واضح ثبوت ہیں۔

(۲) دوسرا واقعہ بھی اسی ملل و نحل میں علامہ شہرستانی لکھتے ہیں:

"عبد المطلب اپنی اولاد کو یہ وصیت کیا کرتے تھے کہ کوئی ظالم اس دنیا سے نہیں جا سکتا جب تک کہ اللہ اس سے اس کے ظلم کا انتقام نہ لے لے اور اس کو اس کی سزا نہ دے دے۔ اتفاق یہ کہ شام میں ایک ظالم شخص اس حالت میں مر گیا کہ اس کو اس کے ظلموں کی کوئی سزا نہیں ملی۔ یہ واقعہ عبد المطلب سے بیان کیا گیا تو انہوں نے غور و فکر کرنے کے بعد کہا۔ اللہ کی قسم! اس دنیا کے علاوہ ایک اور گھر بھی ہے جہاں اس دنیا کے اچھے کام کرنے والوں کو اچھا بدلہ اور برے کام کرنے والوں کو برا بدلہ ملے گا۔[16]

یہ چیز بخوبی ثابت ہو جاتی ہے کہ جناب عبد المطلب موحد، ملت ابراہیمی کے پیرو اور معاد و جزا و سزائے اعمال کے قائل تھے۔ دین ابراہیمی کے یہ ہی بنیادی اصول تھے اور ان ہی پر نجات کا دارومدار تھا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی قبل نبوت دین ابراہیمی پر ہی عمل پیرا تھے۔ چنانچہ صاحب سیرۃ الحلبیہ لکھتے ہیں:

" و فی کلام الشیخ محی الدین العربی ،یعبد صلی اللہ علیه وآله وسلم قبل نبوته بشریعة ابراہیم حتی فجاءَ الوحی و جائته الرسالته"

شیخ محی الدین ابن عربی لکھتے ہیں کہ نبوت سے پہلے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم شریعت ابراہیمی پر چلتے تھے یہاں تک کہ اچانک آپ پر وحی نازل ہوئی اور آپ کو منصب رسالت ملا۔[17] (سیرۃ حلبیہ، ج ا، ص ۲۲۷)

جناب عبد المطلب اسی معنی میں مسلمان تھے کہ جس معنی میں دین محمدی میں مسلمان ہوتے ہیں

تاریخ کا سرسری مطالعہ کرنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ جناب عبد المطلب اسی معنی میں مسلم بھی تھے کہ جس معنی میں قبل ہجرت دین محمدی میں مسلمان کا مفہوم سمجھا جاتا تھا۔ ہجرت سے پہلے دین ابراہیمی اور دین محمدیؐ میں صرف اتنا فرق تھا کہ دین محمدیؐ کے ماننے والے کو حضور ﷺ کی نبوت پر بھی ایمان لانا ضروری تھا۔ جناب عبد المطلب کی یہ خصوصیت نظر آتی ہے کی دعوت دین محمدیؐ کے وقت سے پہلے ہی آپ آنحضرت ﷺ کی نبوت پر ایمان رکھتے تھے۔ اس حقیقت کے ثبوت میں متعدد واقعات میں سے صرف دو واقعات پر ہی اکتفاء کرتے ہیں۔ علامہ سیوطی تحریر کرتے ہیں:

(1) "علامہ ابن سعد اپنی کتاب طبقات الکبریٰ میں باسناد تحریر کرتے ہیں کہ ایک دن عبد المطلب نے ام ایمن سے جو بچپن میں رسول اللہؐ کی دیکھ بھال پر مامور تھی، کہا اے برکت! میرے اس فرزند سے غفلت نہ برتنا کیونکہ میں نے اہل کتاب کو مکرر یہ کہتے ہوئے سنا ہے کہ میرا یہ نور نظر اس ملت کا نبی ہے۔"[18]

علامہ عبد اللہ عمادی اپنی تاریخ اسلام میں لکھتے ہیں۔"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلام بیس برس کے ہوئے تو نبوت کی علامتیں آپؐ سے نمایاں ہونے لگیں۔ اہل کتاب آپؐ کے بارے میں قیل و قال کرنے لگتے، آپؐ کا تذکرہ کیا کرتے، وصف احوال کرتے، اور قرب ظہور کی خبر دیتے۔ حضرتؑ نے ایک مرتبہ ابوطالب سے فرمایا اے میرے چچا! میں خواب میں ایک شخص کو اپنے پاس آتے دیکھتا ہوں۔ دو شخص اس کے ساتھ اور ہوتے ہیں جو کہتے ہیں:" یہ وہی ہے جب وہاں تک پہنچے تو اس سے کام لینا۔"وہ پہلا شخص خاموش رہتا ہے۔ مکہ میں ایک صاحب علم سے ابوطالب نے یہ کیفیت بیان کی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھ کہ وہ بول اٹھا کہ " یہ روح پاک ہے، یہ واللہ نبی مطہر ہے۔" ابوطالب نے اس سے کہا" ایسا ہے تو میرے بھتیجے سے اس کو مخفی رکھو۔ قوم کو اس کے خلاف برانگیختہ نہ ہونے دو۔ میرے والد عبد المطلب نے مجھے خبر دی تھی کہ یہی نبی مبعوث ہے اور مجھے حکم دیا تھا کہ اس کو چھپائے رہوں کہ دشمن اس کے خلاف برانگیختہ نہ ہوں۔[19]

ان واقعات سے بخوبی یہ ثابت ہو جاتا ہے کہ جناب عبد المطلب موحد، پیرو دین ابراہیمی اور معاد و جزاء و سزائے اعمال کے قائل ہونے کے ساتھ ساتھ آنحضرت ختمی مرتبت علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نبوت پر بھی ایمان رکھتے تھے اور اس طرح وہ مومن و مسلم تھے۔ یہیں سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ اگر وہ آنحضرتؐ کی بعثت کے وقت زندہ ہوتے تو انہیں اسلام لانے کی ضرورت نہ ہوتی۔ کیونکہ وہ پہلے سے ہی موحد تھے اور نبوت محمدیؐ پر ایمان رکھتے تھے۔[20]
شیخ صدوق اپنی کتاب خصال میں حضرت علی سے ایک روایت، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وصیت کے حوالے سے نقل کرتے ہیں جس کے ایک حصے میں آپ ﷺ نے فرمایا: "یا علی ان عبد المطلب کان لا یستقسم بالازلام ،ولا یعبد الاصنام ولا یاکل ما ذبح علی النصب ،و یقول ،انا علی دین ابراهیم۔"[21]
"اے علی! یقینا عبد المطلب ازلام (اس زمانے کے تیروں) کے ذریعے قرعہ نہیں ڈالتے اور نہ ہی تقسیم کرتے تھے اور بتوں کی پوجا پاٹھ نہیں کرتے تھے اور جو بتوں کے لیے جانور ذبح ہوتے وہ نہیں کھاتے تھے۔ کہتے تھے کہ میں ابراہیم علیہ السلام کے دین پر ہوں۔"

خانہ کعبہ کی تولیت

جناب مطلب اپنے بھتیجے شیبہ یعنی عبد المطلب کو ان کی والدہ کی اجازت کے ساتھ لے کر یثرب سے مکہ پہنچے۔ مکہ میں یہ لوگ چاشت کے وقت پہنچے۔ قریشی اپنی مجلسوں میں جمع تھے اور پوچھتے جاتے تھے کہ مطلب تمہارے پیچھے کون سوار ہے؟ مطلب سب سے یہی کہتے رہے کہ ھٰذا عَبدِی یعنی یہ میرا غلام ہے۔ جناب مطلب کے اسی قول کی وجہ سے لوگ انہیں عبد المطلب کہہ کر پکارتے تھے۔ پھر اس نے ان کے باپ کی جائیداد ان کو بتلا کر ان کے قبضے میں دے

دی مگر مطلب کی وفات کے بعد عبدالمطلب کے دوسرے چچا نوفل بن عبد مناف ان کے گھر کے صحن میں حائل ہوئے اور پھر صحن پر قابض ہوگئے۔ حضرت عبدالمطلب سربرآوردہ قریشیوں سے ملے اور چچا کے مقابلے میں ان سے مدد طلب کی مگر سب نے جواب دے دیا کہ ہم چچا اور بھتیجے کے قصے میں دخل نہیں دے سکتے ہیں۔ عبدالمطلب نے مجبور ہو کر اپنے ماموؤں کو جو بنو نجار سے تھے اپنا حال لکھ کر بھیج دیا۔ ابو سعید نجاری اسّی سواروں کے ساتھ فوراً مکہ پہنچے۔ جناب عبدالمطلب نے ان کا استقبال کیا اور کہا ماموں جان گھر تشریف لے چلئے، ابو سعید نے کہا پہلے میں نوفل سے ملوں گا۔ چنانچہ مقام حجر کی مجلس میں جہاں سرداران قریش جمع ہوتے تھے پہنچ کر نوفل کے سر پر تلوار سونت کر کھڑے ہوگئے اور قسم کھا کر کہا یا تو صحن ہمارے بھانجے کو لوٹا دے ورنہ یہ تلوار تیرے جسم میں پیوست ہو گی۔ نوفل نے بھی قسم کھا کر کہہ دیا کہ میں بہ رب کعبہ (کہتا ہوں) صحن واپس کر دوں گا۔ ابو سعید نے حاضرین مجلس کو گواہ بنایا اور پھر اپنے بھانجے عبدالمطلب سے کہا اب گھر چلو۔ تین دن ان کے پاس قیام کیا اور عمرہ ادا کرنے کے بعد مدینہ واپس ہوگئے۔ اس واقعے نے عبدالمطلب کو بیدار کر دیا اور وہ دوسرے قبائل سے معاہدوں کے لیے مجبور ہوگئے۔ بشیر ابن عمرو اور ورقاء بن قلان اور بنی خزاعہ کے طاقتور قبائل سے کعبہ کے اندر بیٹھ کر معاہدے کیے اور ان جملہ حلیفوں نے ایک عہد نامہ لکھ دیا جس میں عبدالمطلب کو رفادہ اور سقایہ کی سرداری دی گئی جس سے ان کی عظمت، شان اور بلندی شرف میں بہت اضافہ ہو گیا۔ (رفادہ و سقایہ کے اصطلاحی معنی یہ ہیں کہ حجاج کی کھانے اور پانی سے مدد کی جائے۔ ایام جاہلیت میں قریشی باہم چندوں سے بڑی رقم جمع کر لیتے تھے۔ پھر کھانے کے لیے غلہ اور دوسری ضرورت کی چیزیں خرید لیتے تھے۔ (تاریخ اسلام، طالب حسین کرپالوی، ج2، ص94، ناشر دار التبلیغ، لاہور، نومبر 1993ء۔)۔ جب عبدالمطلب رفادہ و سقایہ کے متولی ہوئے تو پھر ہمیشہ یہ مناصب ان کے ہاتھ میں رہے۔ وہ حاجیوں کو کھانا کھلاتے، پانی پلاتے۔ انہوں نے مکے میں کئی حوض بنوائے تھے کہ انہیں سے حاجیں کو سیر اب کرتے تھے۔ جب زمزم سے پانی پلانے کا آغاز ہوا تو مکے میں حوضوں کے ذریعے پانی پلانے کا دستور بند ہو گیا اور عبدالمطلب نے حجاج کو زمزم سے ہی پانی پلوانا شروع کیا۔ اس کا آغاز اس وقت سے ہوا جب زمزم کو از سر نو کھود کر انہوں جاری کیا۔ یہی پانی عرفات تک پہنچاتے تھے اور وہاں بھی سب کو پلواتے تھے۔

چاہ زمزم کی دریافت اور کھدائی

پیغمبر اکرمؐ کے اجداد کی حکومت سے کئی سال قبل دو قبیلے جرہم اور خزاعہ کے نام سے مکہ پر حکومت کرتے تھے۔ پہلے بنو جرہم کی حکومت تھی، ان کے بعد بنی خزاعہ نے ان کو نکال کر اپنی ریاست قائم کی۔ بنو جرہم کا عمرو بن حارث نامی آخری حکمران تھا۔ جب اس نے دیکھا کہ خزاعہ کے ساتھ مقابلہ کرنے کی ان میں طاقت نہیں ہے اور وہ جنگ میں

یقینی طور پر شکست سے دوچار ہو گا تو اس نے خانہ کعبہ کے اموال، تحائف، ہدیے اور دیگر قیمتی چیزیں، دوسروں کے ہاتھ لگنے سے بچانے اور ان کی حفاظت کی غرض سے ساری چیزیں خانہ کعبہ سے نکال لیں۔ اس وقت خانہ کعبہ کے اندر رکھی ہوئی قیمتی چیزوں میں طلائی ہرن، تلواریں، زرہ، جواہرات اور انتہائی نفیس تحائف وغیرہ تھیں۔ کہا یہ بھی جاتا ہے کہ ان سب کے ساتھ ساتھ حجر اسود بھی اپنی جگہ سے اکھاڑ کر اس نے زم زم کے کنویں ڈال دیں اور اس پر مٹی ڈال کر بند کر دیا۔ اور خود یمن کی طرف بھاگ گیا، بقیہ زندگی یاس وحسرت میں وہاں گذاری۔ یہ سلسلہ خزاعہ کے دور اور پھر ان کے بعد پیغمبر اکرمؐ کے آباء واجداد کی حکومت تک یوں ہی چلتا رہا۔ کسی کو بھی زم زم کے مقام اور ان تحائف کے دفن کی جگہ معلوم نہیں تھی۔ اکابر قریش اور دوسرے لوگوں کی جستجوئے بسیار کے باوجود کسی کو کچھ بھی ہاتھ نہ آیا۔ جب وہ لوگ چاہ زم زم کی دستیابی سے مایوس ہو گئے تو مجبوراً انہوں نے مکہ شہر اور اس کے اطراف میں کنویں کھودے اور ان سے پانی حال کرنے لگے۔

جناب عبد المطلب بھی مسلسل اس فکر میں تھے کہ کسی طرح کنویں کی جگہ کا پتہ معلوم ہو جائے تاکہ اس کو کھود کر یہ سعادت اپنے نام کر سکیں۔ اور یہ فخر انہیں حاصل ہو سکے۔ عبد المطلب ایک دن خانہ کعبہ کے قریب، مقام حجر میں سو رہے تھے کہ (خواب میں) کوئی آیا اور زمزم کے کھودنے کا حکم دیا۔ ابن اسحٰق نے کہا کہ اس کے کھودنے کی جو ابتدا عبد المطلب نے کی اس کے متعلق یزید ابن حبیب مصری نے مرثد بن عبد اللہ یزنی سے اور انہوں نے عبد اللہ بن زریر غافقی سے روایت بیان کی کہ انہوں نے علی ابن ابی طالب رضہ کو حدیث زمزم بیان کرتے سنا، جس میں عبد المطلب کو اس کے کھودنے کا حکم دیئے جانے کا ذکر ہے۔

سیدنا علی نے فرمایا: عبد المطلب نے کہا کہ میں مقام حجر میں سو رہا تھا کہ ایک آنے والا میرے پاس آیا اور کہا کہ طیبہ کو کھود۔ انہوں نے کہا کہ میں نے پوچھا طیبہ کیا چیز ہے؟ انہوں نے کہا پھر وہ میرے پاس سے چلا گیا۔ پھر جب دوسرا روز ہوا میں پھر اپنی آرام گاہ کو لوٹا اور وہاں سو گیا تو اس نے کہا برہ کو کھود۔ انہوں نے نے کہا کہ میں نے پوچھا برہ کیا چیز ہے؟ انہوں نے کہا پھر وہ میرے پاس سے چلا گیا۔ پھر جب دوسرا روز ہوا میں اپنی آرام گاہ میں آیا اور وہاں سو گیا تو پھر میرے پاس آیا اور کہا مضنونہ کو کھود۔ انہوں نے کہا کہ میں نے پوچھا مضنونہ کیا ہے؟ انہوں نے کہا پھر وہ میرے پاس سے چلا گیا۔ پھر جب دوسرا روز ہوا میں اپنی آرام گاہ کو لوٹا اور سو گیا تو پھر میرے پاس آیا اور کہا زمزم کھود۔ انہوں نے کہا کہ میں نے پوچھا زمزم کیا چیز ہے، اس نے جواب میں کہا: لا قنرح ولا تذم ، تسقی الحجیج الاعظم وھی بین الفرث والدم عند نفرۃ الغراب الاعصم ۔ ترجمہ: جو کبھی نہ سوکھے گا اور اس کا پانی کم نہ ہو گا۔ وہ بڑے بڑے حج کرنے والوں کو سیراب گا۔ وہ اس وقت لید اور خون کے درمیان غراب اعصم کے گڑھے کے قریب

ہے۔ جہاں غراب اعصم اپنی چونچ سے ہر وقت کرید تا رہتا ہے۔ کہتے ہیں کہ اس جگہ پر چیونٹیوں کی بھی ایک بستی آباد تھی۔

غرابِ اعصم: وہ کوا جس کے دونوں پاؤں اور چونچ سرخ رنگ کے ہوں اور اس کے پروں میں کچھ سفیدی ہو۔ اس زمانے میں اسی رنگ کا ایک کوا مقام زمزم پر آکر بیٹھتا تھا۔ زمزم تو باقی نہ رہا تھا البتہ اس کی جگہ قریش قربانی کیا کرتے تھے اور اسی سبب سے وہ کوّا وہاں سے ہٹتا نہ تھا۔ محمد ابن عمر کہتے ہیں ذبیح کی جگہ سے جہاں گندگی اور خون جمع رہتا ہے غرابِ اعصم وہاں سے ہٹتا ہی نہ تھا۔ اسی خواب میں عبد المطلب کو یہ بھی بشارت ہوئی کہ: "وھی شرب لک ولولدک من بعدک۔" ترجمہ: یہ تیرے پینے کے لیے اور تیرے بعد تیری اولاد کے پینے کے لیے ہے۔[22]

ابن اسحٰق نے کہا کہ جب انہیں اس کے حالات بتلا دیے گئے اور اس کے مقام کی رہنمائی کر دی گئی اور انہوں نے جان لیا کہ وہ بالکل سچ ہے تو صبح اپنی کدال لی اور ان کے ساتھ ان کا لڑکا حارث بن عبد المطلب بھی تھا۔ جس کے سوا اس وقت تک ان کے اور کوئی لڑکا نہ تھا، اور کھودنا شروع کیا۔ جب عبد المطلب پر وہ چیزیں ظاہر ہوئیں جو اس میں تھیں تو انہوں نے تکبیر کہی اور قریش نے جان لیا کہ عبد الطلب نے اپنا مقصد پا لیا اور وہ ان کے پاس آکر کھڑے ہو گئے اور کہا اے عبد المطلب! یہ کنواں تو ہمارے باپ اسمٰعیل کے ساتھ منسوب ہے اور ہم سب ان تک پہنچتے ہیں اور ان کی اولاد ہیں۔ لہٰذا ہمارا بھی اس میں ضرور کچھ نہ کچھ حق ہے۔ ہمیں بھی اس میں اپنے ساتھ شریک کر لو۔ عبد المطلب نے ان کی تجویز کو مسترد کرتے ہوئے کہا ایسا تو میں نہیں کروں گا، یہ چیز ایسی ہے کہ اس سے مجھے ممتاز کیا گیا ہے نہ کہ تم کو۔ تم سب میں سے مجھی کو یہ امتیاز عطا کیا گیا ہے۔[23] (ھشام)

قریش اس بات پر مطمئن نہ ہوئے اور اپنی بات پر مصر رہے۔ یہاں تک کہ طرفین میں باہمی رضامندی کے ساتھ طے یہ پایا کہ ایک کاہنہ عورت سے اس معاملے کا فیصلہ کروایا جائے۔ بنی سعد قبیلے کی وہ کاہنہ خاتون شام کے راستے پہاڑی علاقے میں رہتی تھیں۔ اسی مقصد کے پیش نظر دوسرے روز سب شام کے سفر پر نکلے۔ راستے میں ایک صحرا میں پہنچے، جہاں پانی موجود نہ تھا اور جو پانی ان کے پاس تھا وہ بھی ختم ہو گیا۔ شدت پیاس کی وجہ سے قریب المرگ ہو گئے۔ اللہ تعالیٰ نے ایسے حال میں عبد المطلب یا ان کے اونٹ کے پیروں کے نیچے سے پانی کا چشمہ ظاہر کیا۔ سب نے اس چشمے سے سیر ہو کر پانی پیا۔ یہ واقعہ باعث بنا کہ قریش عبد المطلب کے مقام و منزلت سے آشنا ہوئے اور چاہ زمزم کی کھدائی کی مخالفت سے ہاتھ کھینچ لیے۔ تصفیہ کے معاملے سے بھی دستبردار ہو کر واپس لوٹ کر مکہ آئے۔

ایک دوسری روایت میں اس طرح وارد ہوا ہے کہ عبد المطلب نے جب قریش کی مخالفت دیکھی تو اپنے بیٹے حارث سے کہا کہ: ان لوگوں کو مجھ سے دور کرو۔ اور وہ خود کنواں کھودتے رہے۔ قریش نے جب عبد المطلب کے مضبوط اور

پختہ ارادے اور فیصلہ کو محسوس کیا تو ان کی مخالفت سے ہاتھ اٹھالیے۔ عبد المطلب کنواں کھودتے رہے۔ جب کنویں کے اوپر رکھے گئے پتھر تک پہنچے تو انہوں نے تکبیر کی صدا بلند کی۔ اس طرح وہ پتھر ہٹا کر اندر گئے اور وہ دو طلائی ہرن، تلواریں، زرہ اور سب قیمتی تحائف و ہدیے سب نکال کر باہر لائے۔ ان سب کو کعبہ کی زیب و زینت میں استعمال کیا۔ اس کے بعد مکہ کے لوگ اور حجاج آب زمزم سے سیر اب ہونے لگے۔

قبائل عرب اور حضرت عبد المطلب کا احترام

جناب عبد المطلب اس زمانے کے عرب معاشرے میں انتہائی عزت و شرافت کے مقام پر فائز تھے۔ لوگ بہت زیادہ ان کا احترام کرتے تھے اس سلسلے میں ہشام ابن محمد اپنے والد سے، عبد المجید بن ابی عبس سے، اور ابو المقوم سے روایت کی ہے کہ ان سب نے بیان کیا کہ تمام قریش میں عبد المطلب سب سے زیادہ خوش رو اور سب سے زیادہ بلند و بالا، سب سے زیادہ بردبار و متحمل مزاج، سب سے زیادہ فیاض اور سب سے زیادہ ان مہلکات سے دور رہنے والے شخص تھے جو لوگوں کی حالت و حیثیت بگاڑ دیا کرتے ہیں۔ کبھی ایسا اتفاق پیش نہیں آیا کہ کسی بادشاہ نے انہیں دیکھ کر ان کی تعظیم و تکریم نہ کی ہو اور ان کی سفارش نہ مانی ہو۔ وہ جب تک زندہ رہے قریش کے سردار بنے رہے، قبیلہ خزاعہ کے کچھ لوگوں نے آکر ان سے کہا: "عن قومٍ متجاورون في الدار هلم فلها نعك "ہم سب لوگ گھر کے اعتبار سے آپس میں ہمسایہ و ہم جوار ہیں یعنی آؤ محالفہ یعنی باہمی امداد و نصرت کا عہد و پیمان کر لیں۔ عبد المطلب نے ان کی درخواست قبول کرلی اور سات افراد کو لے کر چلے جو اولاد مطلب میں سے تھے مگر عبد شمس اور نوفل کی اولاد میں سے کسی کو ساتھ نہیں لیا۔ عبد المطلب اپنی جماعت کو لے کر دار الندوہ میں آئے۔ جہاں دونوں گروہوں نے ایک دوسرے کی مدد مواسات کے لیے عہد و پیمان کئے اور ایک عہد نامہ لکھ کر خانہ کعبہ میں لٹکا دیا۔

ایک دوسرا واقعہ جناب عبد المطلب بن ہاشم اور حرب بن امیہ کے منافرہ میں دیکھنے میں آتا ہے۔ اس واقعے میں بھی جناب عبد المطلب کی بلند شخصیت اپنے کمال پر نظر آتی ہے۔ محمد ابن السائب الکلبی کہتے ہیں مجھ سے دو شخصوں نے روایت کی ہے جن میں ایک تو قبیلہ بنی کنانہ کے ایک صاحب تھے جنہیں ابن ابی صالح کہتے تھے اور دوسرے ایک ذی علم تھے جو مقام رقہ کے باشندے اور قبیلہ بنی اسد کے آزاد غلام تھے۔ ان دونوں صاحبوں کا بیان ہے کہ عبد المطلب بن ہاشم اور حرب بن امیہ کے درمیان سفر حبشہ کے دوران منافرے کی ٹھہری اور دونوں نے نجاشی، بادشاہِ حبشہ کو حَکَم قرار دیا۔ لیکن اس نے اس بیچ میں پڑنے اور فیصلہ کرنے سے انکار کر دیا۔ مجبور ہو کر نفیل بن عبد العزیٰ بن ریاح کی جانب رجوع کرنا پڑا اور انہی کو حَکَم بنایا گیا۔ لیکن انہوں نے حرب سے کہا: "تنافر رجلاً هو اطول منك قامةً و اقل منك لامةً و اكثر منك ولداً و اجزل منك صفداً و اطول منك مذوداً "ترجمہ:

کیا تو ایسے شخص سے منافرہ کرتا ہے جو تجھ سے زیادہ بلند وبالا ہے، تجھ سے زیادہ بڑے سر والا ہے، تجھ سے زیادہ وجیہہ ہے، موحیات ملامت وہول وخوف میں تجھ سے بہت کم ہے، تجھ سے زیاد کثیر الاولاد ہے، تجھ سے زیادہ جزیل العطاء کریم وجواد ہے، تجھ سے زیادہ اس کی زبان لمبی یعنی فصیح اللسان ہے۔

نفیل نے حرب کے مقابلے میں عبد المطلب کے حق میں فیصلہ کیا، اس پر حرب نے کہا:"ان من انتکاث الزمان ان جعلناک حَکَماً "ترجمہ: یہ زمنے کا نقص وابر اہم ہے، یعنی خراب وفساد ونیرنگی روزگار کی یہ بھی ایک دلیل ہے کہ ہم نے تجھ کو حَکَم بنایا۔[24]

ابرھہ کا لشکر اور اس کے ساتھ حضرت عبد المطلب کا رویہ

ابرہہ نے صنعاء میں ایک قلیس یعنی کلیسا بنایا۔ کلیسا ایسا تھا کہ اس زمانے میں کوئی ایسا کلیسا روئے زمین پر موجود ہی نہ تھا۔ اس کے بعد نجاشی کو خط لکھا کہ بادشاہ سلامت میں نے آپ کے لیے ایسا کلیسا بنایا ہے کہ سابقہ کسی بادشاہ کے لیے کبھی نہیں بنا اور میں صرف اس پر اکتفاء نہیں کروں گا بلکہ عربوں کے عزائم (مراسم حج) کو بھی اسی کی طرف پھیر دوں گا۔ جب عربوں کو ابرہہ کے اس خط کی خبر ہوئی تو ان میں سے بنی فقیم بن عدی۔۔۔۔بن الیاس بن مضر کے ایک شخص کو غصہ آگیا۔ وہ اپنی جگہ سے نکل کر اس کلیسا میں پہنچا اور قضائے حاجت کے لیے اس میں بیٹھا۔ اس نے وہاں پاخانہ کیا اور وہاں سے چل نکلا اور اپنی سرزمین میں آپہنچا۔ ابرہہ کو اس کی خبر ہوئی تو اس نے دریافت کر کے پوچھا کہ یہ کام کس نے کیا ہے؟ اس کو بتایا گیا کہ یہ عربوں میں سے ایک شخص نے کیا ہے، جو اس گھر کے پاس رہنے والا ہے، جس کے حج کے لیے عرب مکے جاتے ہیں۔ جب اس نے تیری بات سنی کہ "عربوں کے عزائم حج کو اس کی جانب پھیر دوں گا" اس نے یہ کام کر کے گویا یہ کہنا چاہا کہ یہ کلیسا حج کے لیے لائق نہیں۔ اس کے بعد ابرہہ کو غصہ آیا اور اس نے کعبہ پر حملہ کر کے اسے گرانے کی قسم کھائی۔

اس نے حبشیوں کو تیاری کا حکم دیا۔ وہ بہت سا ساز وسامان جمع کر کے تیار ہو گئے۔ ابرہہ نے اپنے ساتھ وہ مشہور ہاتھی بھی لے لیا جس کا تذکرہ ہوتا رہتا ہے اور مکے کی طرف چلا۔ جب عربوں نے یہ خبر سنی تو وہ بے چین ہو گئے۔ اور جب انہوں نے سنا کہ وہ خدا کے گھر کعبے کو گرادینا چاہتا ہے تو اس سے جہاد کرنا اپنا فرض خیال کیا۔ سب سے پہلے یمن کی سربر آوردہ شخصیت ذو نفر نے اپنے ساتھیوں کے ساتھ مقابلہ کیا مگر انہوں نے شکست کھائی اور وہ خود گرفتار کر لیا گیا۔ اس کے بعد جب ابرہہ کا لشکر سرزمین خثعم پر پہنچا تو نفیل ابن حبیب خثعمی اپنے دو قبیلوں شہران اور ناہس میں سے جو لوگ اس کے ساتھ ہوئے ان کو لے کر اس کی راہ روک لی اور اس سے جنگ کی مگر ابرہہ کے لشکر نے اسے بھی شکست دی اور نفیل کو قیدی بنالیا گیا۔[25]

جب وہ طائف سے گذرا تو مسعود بن معتب، بنی ثقیف کے لوگوں کے ساتھ آیا۔ ان لوگوں نے ابرہہ سے اپنی وفاداری، غلامی اور اطاعت کا اظہار کیا۔ انہوں نے اپنی طرف سے ایک رہنما بنام ابو رغال اس کے ساتھ بھیج دیا۔[26] ابو رغال نے ابرہہ کو مغمس تک پہنچایا اور وہیں اسے موت نے گھیر لیا اور مر گیا۔ اس کے مرنے کے بعد عربوں نے اس کی قبر پر پتھر برسائے۔ لوگ مقام مغمس میں جس قبر کو پتھر مارتے ہیں وہ اسی کی قبر ہے۔

ابرہہ مغمس (مکے سے تین فرسخ کے فاصلے پر ایک مقام) پر پہنچا تو اس نے حبشیوں میں سے ایک شخص اسود بن مقصود کو اپنے سواروں ایک دستے کا سردار بنا کر روانا کیا۔ وہ مکے تک جا پہنچا اور تہامہ والے قریش وغیرہ کے اونٹ ہانک لے گیا۔ انہیں میں عبد المطلب بن ہاشم کے دو سو اونٹ بھی تھے۔ عبد المطلب بن ہاشم اس وقت قریش میں ان کے بڑے سردار مانے جاتے تھے۔ اس دوران ابرہہ نے حناطہ الحمیری کو مکے کی جانب روانہ کیا اور اس سے کہا کہ اس شہر کے سردار اور بلند رتبہ شخص سے دریافت کر لینا اور اس سے کہنا کہ ابرہہ تم لوگوں سے جنگ کرنے کے لیے نہیں آیا ہے۔ وہ صرف اس گھر کو گرانے آیا ہے۔ اگر تم لوگوں نے اس کا دفاع کرنے کے لیے کوئی رکاوٹ نہیں ڈالی تو تمہارا خون بہانے کی اس کو کوئی ضرورت نہیں ہے۔ اگر وہ مجھ سے جنگ کرنا نہ چاہے تو اس کو اپنے ساتھ میرے پاس لانا۔

جب حناطہ مکے میں داخل ہوا اور اس کی ملاقات حضرت عبد المطلب سے ہوئی تو اس نے ابرہہ کا پیغام آپ تک پہنچایا۔ جناب عبد المطلب نے اس سے کہا خدا کی قسم! ہم اس سے جنگ کا ارادہ نہیں رکھتے اور نہ ہم اس سے جنگ اور مقابلہ کرنے کی طاقت رکھتے ہیں۔ یہ اللہ کا اور اس کے خلیل ابرہیم علیہ السلام کا عظمت والا گھر ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ اس گھر کی ابرہہ سے حفاظت کرے تو وہ اس کا گھر ہے اور اس میں اس کی عظمت ہے۔ اگر اس نے اس گھر اور ابرہہ کے مابین راستہ صاف کر دیا تو خدا کی قسم! ہمارے پاس بیت اللہ کو اس سے بچانے کی کوئی تدبیر نہیں ہے۔[27]

حناطہ نے کہا کہ تو پھر آؤ میرے ساتھ اس کے پاس چلتے ہیں۔ جناب عبد المطلب اس کے ساتھ ہو گئے۔ جب ابرہہ الاشرم کے ساتھ ملنے کے لیے پہنچے تو اس نے اپنے ترجمان سے کہا کہ اپنی حاجت بیان کریں۔ عبد المطلب نے جواب میں کہا کہ میری حاجت صرف یہ ہے بادشاہ میرے دو سو اونٹ واپس کر دے جو اس کے لشکر نے ضبط کر لیے ہیں۔ اس موقعے پر ابرہہ نے جناب عبد المطلب سے کہا کہ افسوس ہے کہ تم اونٹوں کے بارے میں کہتے ہو۔ مگر کیا آپ مجھ سے خانہ کعبہ کے گرانے سے رک جانے کا مطالبہ نہیں کرتے جس کو گرانے کے لیے میں آیا ہوں؟ جناب عبد المطلب نے مضبوط ایمان کے ساتھ کہا کہ:

"أنا ربّ الإبل، وإنّ للبيت ربّاً سيمنعه... "

ترجمہ: میں اپنے اونٹوں کا مالک ہوں، اس گھر کا بھی ایک مالک ہے جو عنقریب خود ہی انہدام کعبہ سے منع فرمائے گا[28]۔

بیت اللہ کے دروازے کا حلقہ پکڑ کر حضرت عبد المطلب کی پروردگار کے حضور دعا۔

جناب عبد المطلب اپنے اونٹ واپس لے کر قریش کی طرف لوٹ آئے۔ پورے واقعے کی خبر دی اس کے بعد انہیں دشمن سے بچنے کے لیے مکے سے نکل جانے اور پہاڑوں کی بلندیوں اور گھاٹیوں میں پناہ گزین ہونے کا حکم دیا۔ پھر عبد المطلب اٹھے اور کعبے کے دروازے کی کنڈی کو پکڑ کر اللہ تعالیٰ سے دعا کی۔ ابرہہ اور اس کے لشکر کے مقابلے میں اس کی مدد کے طلبگار ہوئے۔ اس وقت آپ کے ساتھ قریش کی ایک جماعت بھی موجود تھی۔ اس حال میں انہوں نے پکارتے ہوئے کہا:

لا هُمَّ اِنَّ العَبدِ یم نَع رُحلَهُ فَامنَع حِلالَکَ

"یا اللہ! بندہ اپنی سواری کی حفاظت کرتا ہے تو بھی اپنے حرم کے رہنے والوں کی حفاظت فرما۔"

لا یَغلِبَنَّ صَلِیبُہُم وَ مِحَالُہُم غَدواً مِحَالَکَ

"ان کی صلیب اور ان کی قوتیں کل صبح تیری قوتوں پر غالب نہ ہو جائیں"۔[29]

تاریخ طبری میں آپ کی دعائیہ کلمات اس طرح ہیں:

یا ربِّ !لا أرجو لهم سواکا ** إنّ عدوّ البیتَ مَن عاداکا

یا ربّ !فامنَع منهمُ حِماکا ** امنعهمُ أن یُخربوا اَفنَاکا

عبد المطلب اپنی گفتگو کو جاری رکھتے ہوئے کہنے لگے، اے قریش والو! وہ (ابرہہ) کعبے کو گرانے کے لیے نہیں پہنچ سکے گا۔ کیونکہ یقیناً اس کا ایک غیور رب ہے جو اس کی حفاظت فرمائے گا۔[30]

حضرت عبد المطلب دعا کے بعد اپنے ساتھیوں کے ساتھ پہاڑوں کی بلندی کی جانب چلے گئے۔ جب صبح ہوئی تو ابرہہ مکہ میں داخل ہونے کے لیے خود بھی تیار ہوا اور اپنے ہاتھی اور اپنے لشکر کو بھی تیار کیا۔ اس کا نام محمود تھا۔ ہاتھی ہر طرف جانے کے لیے تیار تھا مگر خانہ کعبہ کی طرف جب بھی اس کو موڑا جاتا تو بیٹھ جاتا تھا۔ آخر کار اللہ تعالیٰ نے ان پر ابابیل اور بلثون (منتہی العرب میں اس کے معنی بوتیار اور قطر المحیط میں لکھا ہے کہ وہ لمبی گردن، لمبے بازوؤں، لمبی ٹانگوں والا ایک آبی جانور ہے جو مچھلیوں کو بہت صفائی سے نگل جاتا ہے) کے مشابہ پرندے بھیجے۔ ان میں سے ہر ایک پرندے کے ساتھ تین تین کنکریاں تھیں۔ ایک کنکری چونچ میں اور دو اس کے دونوں پیروں کے پنجوں میں تھیں۔ یہ کنکریاں چنے اور مسور کے دانوں کے برابر تھیں۔ کنکر جس پر گرتے وہ ہلاک ہو جاتا۔ اس لشکر سے بھاگ نکلنے والے بچ گئے، لیکن اس راستے پر بڑی تیزی کے ساتھ بھاگ رہے تھے جس سے وہ آئے تھے۔ جب نفیل نے اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ اس عذاب کو دیکھا تو کہا:

اینَ المَفَرُّ وَ الاِلٰهُ الطَّالِبُ وَ الاَشرَمُ المَغلُوبُ لَیسَ الغَالِبُ

"(مجر مو!اب) بھاگ نکلنے کی جگہ کہاں کہ (قہر) خدا تمہاری تلاش میں (تمہارے پیچھے لگا) ہے اور وہ اشرم یعنی ابرہہ جو مغلوب ہو چکا (اب پھر کبھی) غلبہ نہ پا سکے گا"۔

ان کی حالت یہ ہوئی کہ وہ وہاں سے بھاگ کر نکلے تو سہی مگر راستے میں ہر ایک مقام پر گرتے پڑتے اور کسی ندی نالے پر ہلاکت کے مقامات میں مرتے کھپتے رہے۔ ابرہہ کے جسم پر بھی عذاب نازل ہوا۔ سب کے سب اس کو اپنے ساتھ لے کر اس حالت میں نکلے کہ اس کی ایک ایک انگلی سڑ سڑ کر گرتی جاتی تھی۔ جب اس کی کوئی انگلی گرتی اس کے بعد اس میں مواد آجاتا۔ پیپ اور خون جاری رہتا۔ یہاں تک کہ جب اس کو صنعاء میں پہنچایا گیا تو اس کی حالت پرندے کے چوزے کی طرح تھی۔ یعنی اعضاء یکے بعد دیگرے جھڑتے جانے کی وجہ سے گوشت کا ایک لوتھڑا سارہ گیا۔ بعض روایات کے مطابق مرنے سے پہلے اس کا سینہ پھٹ کر اس کا دل باہر نکل آیا تھا۔ اللہ تبارک و تعالیٰ نے ابرہہ اور اس کے لشکر کو ہلاک اور برباد کر دیا۔[31]

قرآن مجید کے سورہ الفیل میں اس بات کی طرف اشارہ فرمایا ہے: (أَلَمْ تَرَ كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِأَصْحَابِ الْفِيلِ * أَلَمْ يَجْعَلْ كَيْدَهُمْ فِي تَضْلِيلٍ * وَأَرْسَلَ عَلَيْهِمْ طَيْرًا أَبَابِيلَ * تَرْمِيهِم بِحِجَارَةٍ مِّن سِجِّيلٍ * فَجَعَلَهُمْ كَعَصْفٍ مَّأْكُولٍ).

حضرت عبد المطلب بحیثیت ایک شاعر

اسلام سے پہلے سرزمین عرب کے لوگ شاعری میں اپنا کوئی ثانی نہیں رکھتے تھے۔ دور جاہلیت کی شاعری عربوں کے صنف ادب میں آج بھی بہت بڑا مقام رکھتی ہے۔ کہیں انکا کوئی اجتماع ہوتا یا میلہ تو شعرآء حضرات اپنا کلام سناتے۔ خانہ کعبہ کے قریب مکہ معظمہ میں ان کا جو سالانہ اجتماع ہوتا تھا، اس میں بڑے بڑے شعراء کرام شرکت کرتے تھے۔ اپنا اپنا کلام پیش بھی کرتے تھے اور کعبہ کی دیوار پر بھی آویزاں کرتے تھے۔ اختتام میلہ پر جج شعراء سب کی شاعری پڑھ کر کسی کے حق میں فیصلہ کرتے تھے کہ اس سال کی بہترین شاعری کس کی ہے۔ اسی شاعری کی خوبی کی بنیاد پر یہ لوگ اپنے آپ کو عرب اور دوسروں کو عجم یعنی گونگے کے نام سے پکارتے تھے۔ گویا صرف یہی عرب والے، بولنے اور شاعری کی صلاحیت رکھتے ہیں اور باقی دوسرے لوگ بے بہرہ تھے۔ یہی وجہ ہے کہ ہم دیکھتے ہیں کہ عربوں کے چھوٹے بڑے، مرد وزن، یہاں تک کہ بچے بھی اعلیٰ قسم کی شاعری کرتے تھے۔ فی البدیہ شاعری کرنا اور وہ بھی کئی کئی صفحات پر طویل ترین نظمیں، ان کے بائیں ہاتھ کا کھیل تھا۔ ایسے ماحول میں قریش کا قبیلہ اور اس میں بھی خصوصی طور پر بنی ہاشم کی شاخ کسی سے کیسے پیچھے رہ سکتی تھی۔ بنی ہاشم کے قبیلے میں بھی شعر گوئی کی صنف گویا میراث کی طرح منتقل ہوتی رہی تھی۔

حضرت کعب بن لوی جو کہ آنحضورؐ کے آٹھویں دادا ہیں، ان کی شاعری بھی ہمیں تاریخ کی کتابوں میں ملتی ہے۔ خصوصاً وہ شاعری جس میں آپ نے پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حوالے سے آپؐ کی ولادت باسعادت سے 560 سال پہلے اپنے عظیم المرتبت پوتے کی مدحت میں نعت کہی، اس کا ایک شعر یہ ہے۔

"اچانک سیدنا حضرت محمدؐ کریم تشریف لائیں گے، ایسی خبروں سے آگاہ کریں گے جن کی خبر دینے والا سچا ہو گا۔"[32]

نتائج تحقیق

حضرت عبد المطلب کی شخصیت کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ ایک نہایت مہربان، دیندار اور مخلص انسان تھے۔ ان کی شخصیت میں بہت سے ایسے اوصاف تھے جو ایک بہترین انسان ہونے کی نشانی ہیں۔ اس تحقیقی جائزے میں، ہم نے حضرت عبد المطلب کی شخصیت کے مختلف پہلوؤں کا جائزہ لیا۔ ان کی زندگی، کارناموں اور شخصیت کے اہم پہلوؤں پر روشنی ڈالی۔

اس مطالعے یہ نتیجہ سامنے آتا ہے کہ حضرت عبد المطلب ایک نہایت باصلاحیت اور متحرک انسان، بہترین قائد، اور عرب نامور خاندان کے لیڈر تھے جنہوں نے اپنے زمانے میں قریش کی قیادت کی ذمہ داری نہایت عمدہ طریقے سے سرانجام دی اور اپنی زندگی کو اللہ کی خدمت کے لیے وقف کر دیا۔ تاہم، یہ موضوع مزید تحقیق کا متقاضی ہے اور حضرت عبد المطلب کی شخصیت کے دیگر پہلوؤں مثلاً ان کی سیاسی اور سماجی سرگرمیوں پر مطالعات کیے جاسکتے ہیں۔ علاوہ ازیں حضرت عبد المطلب کے بارے میں سیرت نگاروں اور مؤرخین کے بیان کا تقابلی مطالعہ بھی کیا جاسکتا ہے جس سے ہمیں ان کی شخصیت کو بہتر طور پر سمجھنے میں مدد ملے گی۔

حوالہ جات

[1] ۔ تفصیلی معلومات کے لیے مناقب ابن شہر آشوب، ج 1، بحار الانوار، ج 15، تاریخ یعقوبی، ج ۲، سیرہ ابن ہشام، ج ۱، مروج الذہب، ج ۲، تاریخ طبری، ج ۲ اور دوسری کتب کا مطالعہ کیا جاسکتا ہے۔

[2] ۔ طبقات ابن سعد، ج ۱، ص ۶۹

[3] ۔ کمال الدین، ج ۱، ص ۱۷۱

[4] ۔ ایضاً

[5] تاریخ یعقوبی، ج2، ص28-29 تالیف، احمد ابن ابی یعقوب بن جعفر بن وہب ابن واضح، اردو ترجمہ، مولانا اختر فتحپوری، نفیس اکیڈمی، اردو بازار کراچی، سنہ 1989ء۔

[6] ۔اصول کافی ج1ص179

[7] ۔سیرت النبیؐ، طالب حسین کرپالوی، ج۱۲، ص۱۹-۲۰

[8] ۔میزان الاعتدال، ج۴، ص۳۶۸مطبوعہ، مطبع عیسی البابی الحلبی، مصر، الطبعۃ الاولیٰ ۱۳۸۲ھ۔

[9] ۔سیرۃ حلبیہ، ج۱، ص۳۴

[10] ۔تاریخ کامل، ابن اثیر، ج۱، ص۲۶۱۔

[11] ۔سیرۃ حلبیہ، ج۱، ص۱۰۶

[12] ۔ایضاً، ج۱، ص۱۰۶

[13] ۔سیرت النبی، طالب حسین کرپالوی، ج۱۲، ص۵۶-۵۷

[14] ۔سیرت النبیؐ، طالب حسین کرپالوی، ج۱۲، ص۶۰

[15] ۔الملل والنحل، ج۲، ص۲۴

[16] ۔الملل والنحل، ج۲، ص۲۳۹-۲۴۰

[17] ۔سیرۃ حلبیہ، ج۱، ص۲۲۷

[18] ۔الرسائل التسع، للسیوطی، رسالہ التعظیم والمنہ، ص52

[19] ۔تاریخ اسلام، للعلامہ عبد اللہ عمادی، ص24

[20] ۔سیرت النبیؐ، کرپالوی، ج۱۲، ص۶۲

[21] ۔خصال، ج۱، ص۱۵۰

[22] ۔تاریخ اسلام،، طالب حسین کرپالوی ج۲، ص۹۹۔، لاہور: دار التبلیغ، ۱۹۹۳ء۔

[23] ۔ہشام

[24] ۔تاریخ اسلام، طالب حسین کرپالوی، ج2، ص111-112، ناشر دار التبلیغ، لاہور، نومبر 1993ء۔ بحوالہ طبقات ابن سعد ج1، ص123

[25] ۔سیرہ ابن ہشام، ج1، ص61

26 ۔ سیرہ ابن ہشام، ج1، ص62

27 ۔ سیرہ ابن ہشام، ج1، ص63

28 ۔ سیرہ ابن ہشام، ج1، ص64

29 ۔ سیرہ ابن ہشام، ج1، ص65

30 ۔ تاریخ طبری، ج1، ص533

31 ۔ سیرہ ابن ہشام، ج1، ص67-68

32 ۔ مہدی